

۲

زبیر علی زئی پر رد میں دوسری تحریر

کیا یزید بن معاویہ رحمہ اللہ سنت کو  
بدلنے والے تھے؟

از قلم

ابو الفوز (کفایت اللہ السنابلی)

نوٹ: اس تحریر پر جو حواشی ہیں وہ بعد میں شامل کئے گئے ہیں اسی طرح اصل  
تحریر میں عربی عبارات کا ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

الحمد للہ ہم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کا بہت احترام کرتے ہیں اور ان کی تحریروں سے بکثرت استفادہ کرتے ہیں اور ان کے رسالہ الحدیث کو ممتاز رسالوں میں شمار کرتے ہیں اور عموماً احادیث پر احکام کے سلسلے میں ہم حافظ موصوف ہی کے فیصلہ کو ترجیح دیتے ہیں (۱)۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر حافظ موصوف کے کسی فیصلہ میں ہمیں دلائل کا وزن بالکل ہی محسوس نہ ہو تو ہم اسے رد کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں، الحمد للہ زیر بحث روایت کے

(۱) زیر علی زئی صاحب پر ہمارا یہ اعتماد قطعاً باقی نہیں ہے، ہماری اس بات کو منسوخ سمجھا جائے۔ جس طرح محدثین بعض رواۃ کی توثیق کر دیتے ہیں اور بعد میں اصل حقائق سے آگاہی کے بعد اسے مجروح قرار دیتے ہیں کچھ اسی طرح کا معاملہ ہمارے ساتھ بھی پیش آیا۔ دراصل ہم نے حسن ظن کی بنیاد پر یہ باور کیا تھا کہ علی زئی صاحب محدثین و ائمہ کے حوالے سے جو کچھ نقل کرتے ہیں ان سب میں پوری امانت اور دیانت داری کا ثبوت دیتے ہوں گے اسی طرح تحقیق حدیث میں جن قواعد و اصول کو بنیاد بناتے ہیں وہ بھی محدثین سے ثابت ہوں گے۔

لیکن جب ہمارا ان سے مناقشہ ہوا اور ہم نے ضرورت محسوس کی کہ ان کی پیش کردہ باتوں کو اصل مراجع سے دیکھا جائے تو اس مرحلہ میں یہ اوجھل حقیقت منکشف ہوئی کہ زبیر علی زئی صاحب اپنے اندر بہت ساری کمیاں رکھتے ہیں مثلاً خود ساختہ اصولوں کو بلا جھجک محدثین کا اصول بتلاتے ہیں، بہت سارے مقامات پر محدثین کی باتیں اور عربی عبارتیں صحیح طرح سے سمجھ ہی نہیں پاتے، اور کہیں محدثین کے موقف کی غلط ترجمانی کرتے ہیں یا بعض محدثین و اہل علم کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن سے وہ بری ہوتے ہیں۔ اور کسی سے بحث کے دوران مغالطہ بازی کی حد کر دیتے ہیں۔ اور فریق مخالف کے حوالے سے ایسی باتیں نقل کرتے ہیں یا اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیتے ہیں جو اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتیں۔

ان تمام کوتاہیوں کے باوجود زبیر علی زئی صاحب کے اندر ایک اہم خوبی یہ ہے کہ وہ جرح و تعدیل کے اقوال کی بھی چھان بین ضروری سمجھتے ہیں کہ آیا وہ ناقدین سے ثابت ہیں یا نہیں یہ ایک اہم خوبی ہے اور محض اسی امتیاز نے راقم السطور کو ان کی تحریروں کی طرف راغب کیا۔ لیکن افسوس کہ اس بابت بھی آنجناب کی تحقیقات پر اس لحاظ سے سوالیہ نشان لگ جاتا ہے کہ مبادیہاں بھی موصوف نے وہی طرز عمل اختیار کیا ہوگا جس کی طرف بالاسطور میں اشارہ کیا گیا۔

موضوع ومن گھڑت ہونے پر ہمیں اسی طرح یقین ہے جس طرح نصف نہار میں چمکتے سورج پر یقین ہوتا ہے، میرے دلائل کے جو جوابات پیش کئے ہیں انہیں پڑھ کی مجھے اپنے موقف پر اللہ کے فضل و کرم سے مزید اطمینان حاصل ہو گیا کیونکہ میرے سامنے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس موضوع روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کوئی مضبوط بات ہے ہی نہیں، یہی وجہ ہے کہ متقدمین میں سے سب نے بالاتفاق اسے مردود قرار دیا ہے ہمیں نہیں معلوم کہ متقدمین میں سے کسی ایک بھی مستند محدث نے اس روایت کو صحیح یا حسن قرار دیا ہو۔ حافظ زیر علی زئی کے حوالہ سے کہا گیا (۱):

**فاغتصبہا کا جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ لغت کے اعتبار سے غلط نہیں ہے۔ [محدث فورم مراسلہ نمبر ۴]۔**

عرض ہے کہ:

یہاں لغت کی کسی مستند کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا اور بغیر حوالے کے ہم اس ترجمہ کو صحیح ماننے سے معذور ہیں۔

(۱) ایک بھائی نے حافظ زیر علی زئی کا یہ جواب ان سے بذریعہ فون نقل کیا ہے اس بھائی کی وضاحت ملاحظہ ہو: مذکورہ روایت پر شیخ کفایت اللہ حفظہ اللہ کے تحقیقی اعتراضات کی توضیح کے لیے ہم نے شیخ زیر حفظہ اللہ کو فون کیا اور ان سے کی گئی ۳-۴ منٹ کی گفتگو میں جو اہم نکات سامنے آئے انہیں جواب کی شکل میں یہاں پیش کر دیا گیا۔ سو اس جواب کو مکمل طور پر شیخ زیر حفظہ اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا گوکہ ہماری ذکر کردہ اکثر باتوں سے شیخ صاحب **کا اتفاق ہے۔ [محدث فورم]۔**

ہم نے اس دوسری تحریر میں ان باتوں کو حافظ زیر علی زئی کی باتیں ہی سمجھ کر اور آں جناب ہی کو مخاطب کر کے جواب دیا لیکن آں جناب نے اس کے بعد اپنی تحریروں میں ان باتوں میں کسی سے بھی برات ظاہر نہیں کی جو اس بات کی دلیل ہے کہ موصوف زیر علی زئی میری طرف سے کوٹ کردہ تمام باتوں سے متفق ہیں۔

حافظ زیر علی زئی کے حوالہ سے کہا گیا:

اور یہ ترجمہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے بعض صحابہ کا ایک دوسرے کے بارے میں کذب کے الفاظ کہنا اور مترجمین کا کذب کا ترجمہ جھوٹ کی بجائے غلط کرنا۔ [محدث فورم مراسلہ نمبر ۴]۔

عرض ہے کہ:

خطا پر کذب کا اطلاق عربی زبان میں معروف ہے لسان العرب میں ہے:

وَفِي حَدِيثِ صَلَاةِ الْوُتْرِ: كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ أَيْ أَخْطَأَ؛ سَمَّاهُ كَذِبًا، لِأَنَّهُ يُشَبِّهُهُ فِي كَوْنِهِ ضِدَّ الصَّوَابِ، كَمَا أَنَّ الْكَذِبَ ضِدُّ الصِّدْقِ، وَإِنْ افْتَرَقَا مِنْ حَيْثُ النِّيَّةُ وَالْقَصْدُ، لِأَنَّ الْكَاذِبَ يَعْلَمُ أَنَّ مَا يَقُولُهُ كَذِبٌ، وَالْمُخْطِئُ لَا يَعْلَمُ، وَهَذَا الرَّجُلُ لَيْسَ بِمُخْبِرٍ، وَإِنَّمَا قَالَهُ بِاجْتِهَادٍ أَذَاهُ إِلَى أَنَّ الْوُتْرَ وَاجِبٌ، وَالْاجْتِهَادُ لَا يَدْخُلُهُ الْكَذِبُ، وَإِنَّمَا يَدْخُلُهُ الْخَطَا؛ وَأَبُو مُحَمَّدٍ صَحَابِيُّ، وَاسْمُهُ مَسْعُودُ بْنُ زَيْدٍ؛

وَقَدْ اسْتَعْمَلَتِ الْعَرَبُ الْكَذِبَ فِي مَوْضِعِ الْخَطَا؛ وَأَنْشَدَ بَيْتَ الْأَخْطَلِ: كَذَبْتُكَ عَيْنُكَ أَمْ رَأَيْتَ بَوَاسِطٍ وَقَالَ ذُو الرُّمَّةِ: وَمَا فِي سَمْعِهِ كَذِبٌ

وَفِي حَدِيثِ عُرْوَةَ، قِيلَ لَهُ: إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِنَّ النَّبِيَّ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَبِثَ بِمَكَّةَ بَضْعَ عَشْرَةِ سَنَةٍ، فَقَالَ: كَذِبٌ، أَيْ أَخْطَأَ. وَمِنْهُ

قَوْلُ عِمْرَانَ لَسَمْرَةَ حِينَ قَالَ: الْمَغْمَى عَلَيْهِ يُصَلِّي مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ صَلَاةً حَتَّى يَقْضِيَهَا، فَقَالَ: كَذَبْتَ وَلَكِنَّهُ يُصَلِّيهِن مَعًا، أَيْ أَخْطَأْتُ.

وتروالی حدیث (نسائی رقم ۴۶۱) میں ہے ”کذب ابو محمد“ یعنی ابو محمد نے غلطی کی۔ اسے کذب (جھوٹ) اس لئے کہا کیونکہ درست بات کے خلاف ہونے میں یہ جھوٹ کی طرح ہے جس طرح جھوٹ سچ کے خلاف ہوتا ہے، گرچہ نیت اور ارادہ کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے۔ کیونکہ جھوٹا شخص جانتا ہے کہ وہ جو کہہ رہا ہے وہ جھوٹ ہے اور غلطی کرنے والا لاعلم ہوتا ہے، اور حدیث میں مذکور شخص کوئی خبر دینے والا نہیں تھا بلکہ اس نے یہ بات اجتہاد کرتے ہوئے کہی اور اس کا اجتہاد اس نتیجہ پر پہونچا کہ وتر واجب ہے۔ اور اجتہاد میں کذب کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ اس میں غلطی کا دخل ہوتا ہے۔ اور ابو محمد صحابی ہیں ان کا نام مسعود بن زید ہے۔

اور اہل عرب نے بھی غلطی کی جگہ ”کذب“ استعمال کیا ہے چنانچہ اھل (غیاث بن غوث) نے کہا: كَذَبْتُكَ عَيْنُكَ أَمْ رَأَيْتَ بَوَاسِطٍ. اسی طرح ذوالرمة (غیلان بن عقبہ) نے کہا: وَمَا فِي سَمْعِهِ كَذِبٌ

اور عروۃ کی حدیث میں ہے کہ ان سے کہا گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مکہ میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً دس سال ٹھہرے۔ تو انہوں نے کہا کہ موصوف نے جھوٹ کہا یعنی غلط بات بیان کی۔

اور اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ عمران نے سمرہ سے کہا: بے ہوش آدمی ہر نماز کے ساتھ ایک نماز پڑھے گا یہاں تک اپنی فوت شدہ نمازیں مکمل کر لے، تو انہوں نے کہا: تم نے

جھوٹ کہا یعنی غلط کہا، وہ ساری نماز ایک ساتھ پڑھے گا۔ [لسان العرب: ۷۰۹/۱]۔  
لیکن کیا عربی زبان میں ”غضب کرنا“ قبضہ میں لینے کے معنی میں مستعمل ہے؟  
اگر ایسا ہے تو:

❁ **اولاً:** اہل لغت و اہل عرب کی عبارات اور صحابہ کے استعمال سے متعلق صحیح احادیث سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔

❁ **ثانیاً:** زیر بحث روایت کے سیاق و سباق سے ثابت کیا جائے کہ یہاں ”غضب“ اپنے عام معنی میں نہیں ہے، ہم نے لکھا تھا:

”یہ غلط ترجمہ سیاق و سباق سے بالکل کٹ جاتا ہے“ [زبیر علی زئی پر رد میں پہلی تحریر: ص ۵]

ہم اب بھی کہتے ہیں کہ سیاق و سباق سے ایسے ترجمہ کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی ہے کیونکہ سیاق و سباق کے لحاظ سے صورت حال یہ ہے کہ:

☆ لڑکی خوبصورت تھی۔

☆ پھر نعوذ باللہ صحابی رسول رضی اللہ عنہ پر ایک گھناؤنا الزام ہے۔

☆ پھر مظلوم شخص کسی اور کے پاس جا کر مدد طلب کرتا ہے۔

☆ اس کے بعد ایک دوسرے صحابی انہیں سمجھاتے ہیں اور ایک خوفناک حدیث

سناتے ہیں۔

☆ حدیث سن کر صحابی رسول رضی اللہ عنہ لڑکی واپس کر دیتے ہیں۔

یہ پورا سیاق پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ معاملہ قبضہ میں لینے کا نہیں بلکہ غضب کرنے کا

ہے، ورنہ روایت میں:

☆ ایک لڑکی کی خوبصورتی کا حوالہ کیوں؟

☆ بات صرف قبضہ میں لینے کی تھی تو اس کی وجہ جو خوبصورتی بتائی گئی ہے اس کا قبضہ سے کیا تعلق؟

☆ پھر مظلوم شخص نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فریاد کیوں کی؟

☆ پھر ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک خوفناک حدیث کیوں سنائی؟ ظاہر ہے کہ سامنے کوئی خوفناک بات ہوئی تھی تبھی تو!

یہ سارا سیاق صاف طور سے بتلا رہا ہے کہ اغتصبہا مذکورہ روایت میں کس معنی میں مستعمل ہے؟ قطع نظر اس کے کہ اس لفظ کا قبضہ کے معنی میں مستعمل ہونا ثابت ہے یا نہیں۔

اس کے برخلاف احادیث میں جہاں ”کذب“ خطاء کے معنی میں ہے وہاں سیاق و سباق میں اس کی دلیل موجود ہوتی ہے مثلاً لسان العرب میں جس حدیث کو پیش کیا گیا ہے اسے ہی دیکھتے ہیں مکمل حدیث یہ ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصُّنَابِحِ، قَالَ: زَعَمَ أَبُو مُحَمَّدٍ أَنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ، فَقَالَ: عِبَادَةُ بَنُ الصَّامِتِ كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ أَحْسَنَ وَضُوءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لَوْفَتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ، وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ

عَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ.

جناب عبداللہ بن صنابحی سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ابو محمد (انصاری صحابی) کا خیال ہے کہ وتر واجب ہے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے (سنا تو) کہا: ابو محمد نے غلط کہا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے پانچ نمازیں اللہ نے فرض کی ہیں، جو ان کا وضو عمدہ بنائے اور انہیں ان کے اوقات پر ادا کرے، ان کے رکوع اور خشوع کامل رکھے، تو ایسے شخص کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے گا، اور جو یہ نہ کرے تو اس کے لیے اللہ کا کوئی وعدہ نہیں ہے اگر چاہے تو معاف کر دے اور اگر چاہے تو عذاب دے۔ [سنن ابی داؤد:۔ رقم ۴۲۵]۔

اب لسان العرب کے الفاظ ہیں:

حَدِيثُ صَلَاةِ الْوُتْرِ: كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ أَيْ أَخْطَأَ؛ سَمَّاهُ كَذِبًا، لِأَنَّهُ يُشَبِّهُهُ فِي كَوْنِهِ ضِدَّ الصَّوَابِ، كَمَا أَنَّ الْكَذِبَ ضِدُّ الصِّدْقِ، وَإِنْ افْتَرَقَا مِنْ حَيْثُ النِّيَّةُ وَالْقَصْدُ، لِأَنَّ الْكَاذِبَ يَعْلَمُ أَنَّ مَا يَقُولُهُ كَذِبٌ، وَالْمُخْطِئُ لَا يَعْلَمُ...

وتر والی حدیث (نسائی رقم ۴۶۱) میں ہے ”کذب ابو محمد“ یعنی ابو محمد نے غلطی کی۔ اسے کذب (جھوٹ) اس لئے کہا کیونکہ درست بات کے خلاف ہونے میں یہ جھوٹ کی طرح ہے جس طرح جھوٹ سچ کے خلاف ہوتا ہے، گرچہ نیت اور ارادہ کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے۔ کیونکہ جھوٹا شخص جانتا ہے کہ وہ جو کہہ رہا ہے وہ جھوٹ



ہے اور غلطی کرنے والا لاعلم ہوتا ہے۔۔۔ [لسان العرب: ۷۰۹/۱]۔

اس کے بعد لسان العرب دیکھیں کہ کس طرح سیاق و سباق سے دلیل لی جا رہی ہے کہ متعلقہ روایت میں ”کذب“ خطا کے معنی میں مستعمل ہے، ملاحظہ ہو لسان العرب کے الفاظ:

وَهَذَا الرَّجُلُ لَيْسَ بِمُخْبِرٍ، وَإِنَّمَا قَالَهُ بِاجْتِهَادٍ أَذَاهُ إِلَى أَنْ الْوُتْرَ وَاجِبٌ، وَالْاجْتِهَادُ لَا يَدْخُلُهُ الْكَذِبُ، وَإِنَّمَا يَدْخُلُهُ الْخَطَأُ.

اور حدیث میں مذکور شخص کوئی خبر دینے والا نہیں تھا بلکہ اس نے یہ بات اجتہاد کرتے ہوئے کہی اور اس کا اجتہاد اس نتیجہ پر پہونچا کہ وتر واجب ہے۔ اور اجتہاد میں کذب کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ اس میں غلطی کا دخل ہوتا ہے۔ [لسان العرب: ۷۰۹/۱]۔

ہم کہتے ہیں کہ کیا اسی طرح کا معاملہ زیر بحث روایت میں بھی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے یعنی سیاق اس بات پر دال ہے کہ ”غصب“ اپنے حقیقی وعام معنی میں مستعمل ہے۔

حافظ زیر علی زئی کے حوالہ سے کہا گیا:

نیز کیا ایسی تمام صحیح روایات صرف اس وجہ سے رد کر دینے کے قابل ہیں کہ ان سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا غلط کام سامنے آتا ہے؟ مثلاً حضرت معاذ المزنی رضی اللہ عنہ کا زنا کا واقعہ، صحابی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زنا کی اجازت طلب کرنا، حضرت سمرہ رضی

اللہ عنہ کا شراب کی خرید و فروخت کو جائز سمجھنا وغیرہ۔ لیکن ہمارا مقصد چونکہ صحابہ کی تنقیص کرنا ہرگز نہیں سو یہ چند اشارے صرف مسئلے کی وضاحت کے لیے لکھے گئے ہیں۔ [محدث فورم مراسلہ نمبر ۴]۔

واللہ ہم نے صرف اس وجہ سے صحیح روایات رد کرنے کی بات نہیں کی ہے کہ ان سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا غلط کام سامنے آتا ہے! بلکہ ہم نے زیر بحث روایت میں موجود سند کے عیب کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی ہے؟ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ سند میں مذکورہ عیب ہے اور اس کے ساتھ ایک جلیل القدر صحابی پر بڑا گھناؤنا الزام ہے، اس دوسری بات کو ہم نے پہلی بات کی تائید میں پیش کیا ہے۔

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے حافظ زیر علی زئی نے اعمش کی تدلیس سے متعلق کہا:

اگر اعمش کی ابووائل شقیق سے معنعن روایت کو مطلقاً سماع پر محمول کیا جائے تو ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے دیکھئے: [کتاب المعرفة والتحقیق الامام یعقوب الفاسی :- ج: ۴، ص: ۷۷۱، وسیر اعلام النبلاء:-

ج: ۲، ص: ۳۹۳-۳۹۴]۔

جو کہ مسلمین (اہل السنہ والجماعہ) کے صحیح عقیدہ کے لحاظ سے باطل ہے، لہذا حافظ

ذہبی کا دعویٰ صحیح نہیں ہے (۱)۔ [الاعتصام:- اگست ۱۹۹۹ ص: ۱۸ بحوالہ مقالات

راشدیہ: ج: ۱، ص: ۳۳۹]۔

(۱) قارئین نوٹ فرمائیں ”صحابی کی عدالت ساقط ہوتی ہے لہذا حافظ ذہبی کا دعویٰ صحیح نہیں“، یعنی زیر علی زئی صاحب امام ذہبی کی تردید میں اس بات کو بطور دلیل پیش کر رہے ہیں اور صاف کہہ رہے ہیں کہ ”لہذا حافظ ذہبی کا دعویٰ صحیح نہیں“۔ لیکن جب ہم نے یہ آئینہ دکھایا تو زیر علی زئی صاحب نے بڑی معصومیت سے کہا: ”یہ دوسرے نمبر پر بطور الزام پیش کیا گیا ہے“ [رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: ص: ۳۱]۔

اب کیا حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے ان الفاظ سے ہم نتیجہ نکالتے ہوئے یہی الفاظ دہرا دیں کہ:

کیا ایسی تمام صحیح روایات صرف اس وجہ سے رد کر دینے کے قابل ہیں کہ ان سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا غلط کام سامنے آتا ہے؟

ہم تو حافظ موصوف کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں آں موصوف نے (نفاق والی روایت کی) سند کے اصل عیب اعمش کے عنعنہ کو سامنے رکھا ہے اور اس کے ساتھ ایک جلیل القدر صحابی پر جو ایک خطرناک الزام ہے، اس دوسری بات کو پہلی بات کی تائید میں پیش کیا ہے، یہ ہے ہمارا حسن ظن اور ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں بھی حسن ظن کا مستحق سمجھا جائے۔

❦ **فائدہ:** ہمیں جواب دیتے ہوئے ”کذب“ کے خطاء کے معنی میں مستعمل ہونے کی مثال پیش کی گئی ہے اس کا جواب ہم اوپر دے چکے ہیں لیکن بطور فائدہ عرض کر دیں کہ حافظ موصوف نے بھی ایک روایت پر بحث کرتے ہوئے نفاق والی بات کو دلیل بنایا (۱) تو آں موصوف کو علامہ راشدی رحمہ اللہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا:

(( مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے دوست کو اپنے مدعا کے اثبات کے لئے اس قسم کی سطحی باتیں کرنا قطعی مناسب نہ تھا۔ یہ ان کی علمی شان سے بمر اہل بعید ہے خیر جب کہ انہوں نے یہ سب کچھ لکھا ہے تو ہمیں بھی کچھ عرض کرنا پڑتا ہے۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حق میں کچھ فرمایا یہ غیظ و غضب کی حالت میں فرمایا:

چنانچہ حافظ ذہبی ۳۹۴/۲ پر اسی روایت کے بعد اعمش کا یہ قول نقل فرماتے ہیں۔

ثم يقول الاعمش ، حدثنا هم بغضب اصحاب محمد ﷺ فاتخذوه ديناً .

”لوگوں کو ہم نے تو نبی کریم ﷺ کے اصحاب کے غضب کا قصہ سنایا اور انہوں نے اس کو دین بنا لیا۔“

پھر کتاب کے محقق اس پر حاشیے میں لکھتے ہیں:

على ان قول الاعمش الذي سيورده المصنف يفهم منه ان حذيفة انما قال ذالك في حالة الغضب التي يقول فيها الانسان كلاما لا يعتقدها حقيقته اذا رجع حين يسكت عنه الغضب .

علاوہ ازیں اعمش کے قول جو عنقریب مصنف لا رہا ہے سے سمجھا جاتا ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ قول غضب کی حالت میں ہی کہا تھا۔ وہ غضب کی حالت جس میں انسان واہیات بھی کہہ دیتا ہے جس کی حقیقت کا خود بھی اعتقاد نہیں رکھتا۔ جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور (سنجیدگی سے) اپنی طرف رجوع کرتا ہے۔“

اور یہ بات بالکل صحیح ہے، غصہ کی حالت میں اپنے اوپر کنٹرول کرنا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ غضب کی حالت میں بھی کلمہ الحق کہنا نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی سب احادیث لکھتے جاتے تھے۔ لوگوں نے انہیں کہنا نبی کریم ﷺ انسان ہیں، غضب و رضاء دونوں حالتوں میں کلام کرتے ہیں۔ لہذا تم آپ ﷺ کی سب باتیں نہ لکھا کرو۔ جب سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کی طرف رجوع کیا تو فرمایا کہ تم سب کچھ لکھتے رہو کیونکہ (اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) اس سے کسی حالت میں بھی (غضب خواہ رضا) حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا تو یہ سید ولد آدم ﷺ کا ہی خاصہ تھا۔ دوسرے اس مرتبہ و مقام پر فائز نہیں تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتنے ہی بلند و بالا مقام پر فائز تھے، تاہم وہ معصوم نہ تھے۔ لہذا اگر غصہ کی حالت میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس قسم کے الفاظ نکل گئے تو اس میں کوئی اچنبھے کی بات ہوگئی۔

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت فرمائیے؟ تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ لَا تَغْضَبْ. ”غصہ نہ کرو۔“ انہوں نے اس بات کو چند بار دہرایا لیکن بارگاہ رسالت سے یہی جواب لَا تَغْضَبْ. ”غصہ نہ کرو۔“ غضب کی اس کیفیت کی وجہ سے

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ وغیرہ نے غضبان (غصہ میں کھڑے ہوئے) کی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔

یہ چند سطور ایک منصف مزاج کے لئے کافی ہونی چاہئیں لیکن میں اس بات کو صرف یہیں تک چھوڑنا نہیں چاہتا بلکہ چند مثالیں بھی اس جگہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ: باب صلوۃ النوافل جماعة میں حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے..... اس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے گھر تشریف لائے پھر عتبان رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی جگہ پر نفلی نماز کی امامت فرمائی، پھر حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو وہاں آکر جمع ہو گئے۔ ان میں سے ایک آدمی نے پوچھا کہ مالک کو میں دیکھ نہیں رہا۔ (وہ کہاں ہے) تو ان میں سے ایک نے کہا:

ذَٰكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَا تَقُلْ ذَٰكَ أَلَا تَرَاهُ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ فَقَالَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، أَمَّا نَحْنُ، فَوَاللَّهِ لَا نَرَىٰ وَدَّهٖ وَلَا حَدِيثَهُ إِلَّا إِلَى الْمُنَافِقِينَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ. [صحیح البخاری: ۱۱۸۶/۲]۔

”یہ تو منافق ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے محبت نہیں کرتا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ لا الہ الا اللہ کہتا ہے اور اس کہنے سے وہ خالصتاً اللہ کی رضا چاہتا ہے؟ تو اس آدمی نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں باقی ہم تو اللہ کی قسم ان کی دوستی اور بات چیت منافقین سے ہی دیکھتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو اللہ نے آدمی کو جو لا الہ الا اللہ اخلاص کے ساتھ اور اللہ کی رضا جوئی سے کہتا ہے جہنم کی آگ پر حرام کر دیا ہے۔“

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے متعلق کسی ظاہری بات کی وجہ سے منافق کا لفظ استعمال کرتا ہے حالانکہ وہ منافق نہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ مالک کے حق میں ایسا نہ کہو۔ پھر ان کی نفاق سے برأت بیان فرمائی اور یہ ظاہر ہے کہ جس کسی نے مالک کے بارے میں کہا وہ محض غصہ کی وجہ سے تھا۔

۲۔ صحیح بخاری میں ”افک“ والی حدیث میں خود ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

کہ نبی کریم ﷺ نے منبر پر بیٹھ کر مسلمانوں سے فرمایا کہ جس نے میرے اہل کے بارے میں مجھے ایذا پہنچائی ہے، اس سلسلے میں میری معاونت کون کرے گا؟ تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (قبیلہ اوس سے) کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں آپ کی اعانت کروں گا اگر آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے والا ہمارے قبیلہ اوس سے ہے تو میں اس کی گردن ماروں گا اور اگر وہ ہمارے بھائیوں، یعنی قبیلہ خزرج سے ہوگا تو جو آپ امر فرمائیں گے ہم اس کے مطابق آپ کی امر کی تعمیل کریں گے.....! اس پر قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا، تم اس کو قتل نہیں کرو گے اور نہ ہی اس کے قتل پر تمہیں قدرت حاصل ہوگی اگر وہ تمہاری قوم سے ہوتا تو تم اس کا قتل کیا جانا پسند نہ کرتے تو اس پر سیدنا ابن حنظلہ رضی اللہ عنہ جو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے وہ اٹھے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

كذبت لعمر الله لتقتلنه فانك منافق تجادل عن المنافقين ، قالت فشار الحيان الاوس والخزرج حتى هموا ان يقتلوا ورسول الله ﷺ قائم على المنبر .  
 ”اللہ کی قسم تو نے جھوٹ بولا، ہم ضرور اسے قتل کریں گے تو تو منافق ہے، منافقوں کی جانب سے لڑ رہے ہو۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس پر اوس و خزرج دونوں قبیلے ہيجان میں آگئے حتیٰ کہ آپس میں لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ اس حال میں کہ رسول اللہ منبر پر کھڑے تھے۔“ الحدیث الخ  
 اب ہمارے محترم دوست تدبر فرمائیں اور بتائیں کہ جو الفاظ سیدنا حدیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حق میں کہے تھے زیادہ سنگین ہیں یا وہ الفاظ جو سیدنا اسید بن حنظلہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کہے۔ اللہ آپ ازراہ انصاف فرمائیے کہ سیدنا اسید بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ فانک منافق تجادل عن المنافقين۔ ”بے شک تم تو منافق ہو اور منافقین کی جانب سے لڑ رہے ہو۔“

اپنے اندر کتنی سنگینی رکھتے ہیں؟ تو کیا محترم کے موقف کے مطابق نبی کریم ﷺ کے سامنے سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کی وجہ سے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عدالت ساقط ہوگئی؟ یہ بھی ظاہر ہے کہ سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ محض غیظ و غضب کی وجہ سے زبان سے نکل گئے اس لئے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی جانب سے مدافعت فرما رہے تھے، لہذا سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ الفاظ کی وجہ سے انہیں ہيجان

آگیا اور ان کو شدید غصہ لاحق ہو گیا۔ اور اسی شدت غصہ کی وجہ سے ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے۔ یہی وجہ ہے کہ خود سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس رویہ پر یہ فرماتی ہیں:

وكان رأي سعد بن عبادہ قبل ذالك رجلا صالحا لكن احتملته الحمية فقال.....

”اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ سے پیشتر ایک صالح مرد تھا لیکن اس معاملہ میں قومی حمیت نے انہیں اور برا بیچنے کیا اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا.....“

بات بالکل واضح ہے کہ یہ بات سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے خطا اور لغزش اور غلطی سے صدور میں آئی ورنہ وہ (معاذ اللہ) منافق نہ تھے بلکہ ایک نیک و صالح آدمی تھے۔ کیا غیظ و غضب، غم و غصہ کی حالت میں انسان سے جو کچھ لاشعوری طور پر صدور میں آتا ہے یا آسکتا ہے اس کی اس سے بہتر کوئی مثال ہو سکتی ہے؟

۳۔ صحیح بخاری باب غزوة الفتح میں سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے خط کے ذریعہ قریش مکہ کو نبی کریم ﷺ کے مکہ مکرمہ کے فتح کرنے کے ارادہ کی اطلاع دینی چاہی۔ یہ خط ایک عورت لے جا رہی تھی۔ نبی کریم ﷺ کے حکم سے چند صحابہ رضی اللہ عنہم گئے اور اس عورت سے وہ خط لے کر آ گئے۔ جب خط پڑھا گیا تو حاطب رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے ساری بات بیان کر دی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اما انه قد صدقکم ”انہوں نے آپ کو سچی بات بتادی۔“ اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ دعنی اضرب عنق هذا المنافق۔ ”اے اللہ کے رسول! مجھے چھوڑ کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں۔“ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

انه قد شهد بدرا وما يدريك لعل الله اطلع على من شهد بدرا قال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم .

”بے شک یہ (حاطب رضی اللہ عنہ) بدر میں حاضر تھا اور تجھے کیا پتہ کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جو بدر کے غزوہ میں حاضر تھے۔ ان کی طرف دیکھا اور فرمایا تم جو بھی عمل کرو میں تمہیں بخش دوں گا۔“

اس جگہ بھی وہی بات ہے، یعنی سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ حاطب رضی اللہ عنہ کے اس فعل اور دینی حمیت و غیرت کی وجہ سے بے حد غصہ میں آ گئے اور حاطب رضی اللہ عنہ کو منافق کہا اور نبی کریم ﷺ سے ان کی گردن مارنے کی اجازت مانگی تو محمد ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ واقعتاً یہ منافق نہیں البتہ ان سے ایک بڑا جرم ہو گیا ہے

لیکن چونکہ وہ بدری سے لہذا وہ مغفور ہے، اس لئے تو اللہ نے اہل بدر پر رحمت ڈالی اور فرمایا تمہارے سب گناہ

معاف کئے جائیں گے۔

محترم دوست غور فرمائیں مذکورہ تینوں واقعات سید المرسلین ﷺ کی موجودگی میں اور آپ کے سامنے پیش آئے تاہم نہ تو ان کی عدالت ساقط ہوئی جن کے حق میں مذکورہ الفاظ کہے گئے اور نہ ہی ان لوگوں کی جنہوں نے یہ الفاظ کہے تھے، برا بھلا کہا گیا اس لئے کہ سید الاولین والمرسلین ﷺ جانتے تھے کہ یہ الفاظ غیظ و غضب کی حالت میں ان کی زبانوں سے نکلے تھے اور وہ بھی اسلامی غیرت اور دینی حمیت کی وجہ سے لہذا ایسی صورت حال میں اپنے آپ پر کنٹرول کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، البتہ جن کے حق میں یہ الفاظ کہے گئے تھے ان کی برأت واضح فرمادی۔

اب محترم دوست سوچیں کہ جب اللہ کے رسول کے سامنے بھی غصہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے دوسرے صحابی کے حق میں ایسے الفاظ نکل جاتے تھے تو نبی کریم ﷺ کی عدم موجودگی میں ایک صحابی کی زبان سے دوسرے صحابی کے بارے میں اس قسم کے الفاظ کا غصہ کی حالت میں نکل جانا کیوں بعید معلوم ہو رہا ہے؟  
لو! ایک مثال غیر صحابی کی بھی سن لیجئے۔

محمد بن اسحاق کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ نے دجال وغیرہ کے الفاظ کہے حالانکہ بڑے بڑے محدثین مثلاً امام المحدثین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ حنفیہ میں سے امام ابن ہمام نے بھی ان کی توثیق کی ہے محققین علماء نے امام مالک کے ان الفاظ کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ ابن اسحاق نے مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں کہا کہ وہ میرے پاس لاؤ کیونکہ انا بیطارہ ”میں اس کا معالج یا مرض کی تشخیص کرنے والا ہوں۔“ اس پر امام مالک رحمہ اللہ غضبناک ہو گئے اور یہ الفاظ ابن اسحاق کے بارے میں فرمائے۔

پھر محدثین نے یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ بالآخر امام مالک اور ابن اسحاق میں صلح و صفائی ہو گئی معلوم ہوا کہ یہ الفاظ امام صاحب موصوف سے غصہ کی حالت میں نکل گئے تھے۔ ورنہ اگر یہ الفاظ امام صاحب نے جروح کے طور پر فرمائے ہوتے تو صلح و صفائی کے کیا معنی؟

ایک مثال ہمارے اس عصر کی بھی پیش خدمت ہے۔

ہماری جماعت کے بعض ثقہ لوگوں نے بتایا کہ ہمارے جد امجد سید ارشد اللہ رحمہ اللہ کا یہ معمول تھا کہ وہ نماز عصر کے بعد مسجد میں ہی بیٹھے رہتے اور نماز مغرب تک علماء و صلحاء سے صحبت رہتی، علمی گفتگو ہوتی، کئی مسائل زیر بحث آتے۔ ایک مرتبہ حسب معمول جد امجد رحمہ اللہ کسی مسئلہ پر مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ سے



بحث فرما رہے تھے۔ بحث کے دوران جد امجد کو کسی بات پر غصہ آ گیا اور مولانا عبید اللہ رحمہ اللہ کو کہا: ”مولوی صاحب آپ جیسے سکھتے ویسے ہی سکھ رہے۔“

اس پر مولانا نے اور تو کچھ نہیں کہا صرف یہ الفاظ پڑھ لئے ﴿بِسْمِ الْاِسْمِ الْفُسُوقِ بَعْدَ الْاِيْمَانِ﴾ اسی وقت جد امجد کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اسی وقت مغرب کی نماز کی اقامت ہوئی۔ نماز سے فراغت کے بعد جد امجد نے اسی وقت جماعت سے فرمایا ہم سے مولانا کے حق میں بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ آپ سب میرے ساتھ مولوی صاحب کی خدمت میں چلیں تاکہ ہم ان سے معافی مانگ لیں، پھر وہ جماعت کی معیت میں مولانا کے پاس گئے اور ان سے معافی مانگی اور انہوں نے معاف فرمادیا۔ اس قدر طوالت و سمع خراشی کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کتنے ہی علم و فضل کی اعلیٰ سطح پر فائز ہو لیکن ہے وہ بہر حال انسان ہی، وہ فرشتہ نہیں ہے جس سے کوئی غلطی یا گناہ صدور میں نہ آئے۔ بشر بشر ہی رہتا ہے اگرچہ وہ ولایت کے اونچے مقام پر کیوں نہ ہو۔ لہذا اگر سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بقاضائے بشری غصہ کی حالت میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ نامناسب الفاظ نکل گئے ہوں تو اس سے کون سا ایسا محذور لازم آتا ہے کہ اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے محترم بلا وجہ پچارے اعمش کی تدلیس کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

سیدنا علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اس وجہ سے طرفین میں اس ناچاقی کی بنا پر اتنی کدورتیں بڑھ گئیں کہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے رہتے تھے۔

صحیح بخاری میں موجود ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تم کیوں علی رضی اللہ کو برا بھلا نہیں کہتے۔ الخ بہر کیف غیظ و غضب کسی حد تک ایک محمود قوت ہونے کے باوصف انسان کی بڑی کمزوری ہے اور اس کی شدت میں انسان اپنے اوپر کنٹرول کرنے سے معذور ہو جاتا ہے اور ایسے حالات میں کوئی بھی ذیل منصف مزاج اس غصہ کے عواقب و اثرات کو اپنے کسی موقف پر دلیل کے طور پر پیش کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ واللہ اعلم

امید ہے کہ محترم دوست اس مسئلہ پر غور فرمائیں گے۔ اللھم اھدنا الی سواء الصراط۔

پھر اسی صفحہ ۱۸ کا لم نمبر اپر تحریر فرماتے ہیں:

”لہذا معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر جوتے پہننے کی ممانعت والی روایت سنداً غیر صحیح ہیں۔ اور ان سے

استدلال نامناسب ہے۔“ واللہ اعلم

لیکن میرے محترم! آپ نے جو کچھ ارقام فرمایا، وہ قارئین اہل علم کی نظروں سے گزر چکا اور اب راقم الحروف نے جو گزارشات پیش کی ہیں وہ بھی علماء و فضلاء کے سامنے ان شاء اللہ آئیں گی۔ لہذا فیصلہ وہی کریں گے کہ آیا محترم کی گزارشات صحیح ہیں یا میری گزارشات اور کیا ممانعت والی روایتیں سنداً صحیح ہیں یا ضعیف۔ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ۔

اسی صفحہ ۱۸ کا نمبر ۱ کے آخر میں طبقات ابن سعد سے ایک روایت نقل فرمائی ہے لیکن خود ہی فرماتے ہیں کہ اس کی سند بھی ضعیف ہے جب اس کی سند مسلم طور پر ضعیف ہے تو اس کے پیش فرمانے سے فائدہ؟ اسی صفحہ ۱۸ کا نمبر ۲ پر تحریر فرماتے ہیں، مختصر یہ کہ اس سلسلہ میں تشدد نہیں کرنا چاہئے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

تشدد: ہم نے نہ پہلے کیا نہ اس وقت کر رہے ہیں اور نہ ہی آئندہ ان شاء اللہ کرنے کا کوئی ارادہ ہی ہے۔ میرا موقف! ممانعت والی حدیث میری تحقیق کے مطابق سنداً صحیح ہے اور میری نظر سے اس وقت تک کوئی ایسی سنداً صحیح حدیث نہیں گزری جو اس کی معارض بن سکے۔ (( دیکھئے: مقالات راشدیہ: ص ۳۴۰ تا ۳۴۵ ))

میرے خیال سے خود حافظ موصوف کو علامہ راشدی رحمہ اللہ نے جس انداز میں جواب دیا ہے اسی انداز میں ہمیں بھی جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے، اب ہم مزید کیا عرض کریں۔

واضح رہے کہ کذب والی مثال کا جواب ہم دے چکے ہیں۔

حافظ زیر علی زئی کے حوالہ سے کہا گیا:

عبدالوہاب بن عبدالمجید بن الصلت الثقفی صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راوی ہیں نیز ان پر جو مختلط (۱) ہونے کی جرح کی گئی ہے وہ چنداں مضر نہیں کیونکہ انہوں نے اختلاط کے

(۱) قارئین نوٹ فرمائیں کہ اختلاط کی جرح کا جواب دیا جا رہا ہے جب کہ ہم نے اختلاط کی جرح کو بنیاد

پر گز نہیں بنایا تھا۔

بعد کچھ روایت نہیں کیا جیسا کہ حافظ ذہبی اور دیگر محدثین نے صراحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو  
[المعجم المختلطین:۔ ص: ۱۰۰]۔ [محدث فورم مراسلہ نمبر ۴]۔

اس غیر متعلق جواب پر کچھ عرض کرنے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تعلق سے ہم  
اپنے الفاظ یہاں ذکر دیں تو ہم نے لکھا تھا:

”یہی حال زیر بحث یزید سے متعلق روایت کا بھی ہے کہ تمام رواۃ نے اسے منقطع  
بیان کیا ہے صرف عبد الوہاب نے وصل کیا ہے اور یہ گرچہ ثقہ ہیں لیکن ان کے حافظہ پر  
جرح ہوئی ہے چنانچہ:

❦ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰ھ) نے کہا:

عبد الوہاب بن عبد المجید الثقفی. ویکنی أبا محمد. وکان ثقة وفیه  
ضعف.

عبد الوہاب بن عبد المجید الثقفی اس کی کنیت ابو محمد ہے یہ ثقہ تھے اس میں ضعیف  
ہے [الطبقات لابن سعد:۔ ۲۱۲/۷]۔

اور اخیر عمر میں ان کا حافظہ اس حد تک خراب ہو گیا تھا کہ یہ اختلاط کے شکار ہو گئے  
تھے۔

❦ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

عبد الوہاب بن عبد المجید بن الصلت الثقفی أبو محمد البصری  
ثقة تغیر قبل موته بثلاث سنین.

عبد الوہاب بن عبد المجید بن لصلت الثقفی أبو محمد البصری، یہ ثقہ ہیں، یہ اپنی موت

سے تین سال قبل تغیر حفظ کے شکار ہو گئے تھے [تقریب التہذیب :- رقم: ۴۲۶۱]۔

معلوم ہوا کہ عبد الوہاب ثقہ ہونے کے باوجود متکلم فیہ تھے نیز ان کے وصل والی روایت کے ہوتے ہوئے بھی بہت سارے محدثین نے اس زیر بحث روایت کو منقطع قرار دیا ہے۔ [زیر علی زئی پر رد میں پہلی تحریر: ص ۱۳-۱۴]۔

ہمارے ان الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارا جواب ملاحظہ فرمائیں:

اولاً:

ہم نے اختلاط کی جرح کو بنیاد نہیں بنایا ہے بلکہ ہمارے الفاظ پر غور کیا جائے ہم نے ابن سعد کی جرح کو بنیاد بنایا ہے اور ابن سعد رحمہ اللہ کی جرح اختلاط سے متعلق نہیں بلکہ ”فیہ ضعف“ کی مطلق جرح ہے اسے پیش کرنے کے بعد بطور تائید ہم نے اختلاط کی بات نقل کی ہے اور یہ کہنا چاہا ہے کہ ابن سعد نے جو ضعف کی جرح کی ہے اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اخیر عمر میں ان کا حافظہ اختلاط فاحش کی حد تک خراب ہو گیا، یعنی بنیادی طور پر ہم نے عبد الوہاب کے اختلاط کو دلیل نہیں بنایا بلکہ ابن سعد رحمہ اللہ کی جرح کو دلیل بنایا ہے۔

عبد الوہاب بے شک بخاری و مسلم کے راوی ہیں لیکن زیر بحث روایت بخاری و مسلم کی نہیں ہے اور ان پر جرح ہوئی ہے لہذا جب ان کے طریق سے آنے والی سند کی کیفیت اس کیفیت سے بدل جاتی ہے جسے دیگر رواۃ نے بیان کیا ہے تو ان پر کی گئی جرح کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہی کہیں گے اس روایت کو بیان کرنے میں عبد الوہاب کے حافظہ نے

کو تاہی کی ہے۔

بطور مثال عرض ہے کہ:

”یزید بن عبد اللہ بن حصیفہ بن عبد اللہ بن یزید الکندی المدنی“ بھی بخاری و مسلم بلکہ کتب ستہ کا راوی ہے لیکن تراویح والی حدیث میں اس نے بیس رکعات بیان کی اور یہ بیان دیگر رواۃ کے خلاف تھا اس لئے بخاری و مسلم کے راوی ہونے کے باوجود بھی اس کی روایت کو رد کر دیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں اس پر کی گئی جروح کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

ثانیاً:

عبد الوہاب کے بارے میں:

✽ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ) نے کہا:

کان عبد الوہاب الثقفی **قد اختلط بآخرة** .

عبد الوہاب ثقفی آخر میں **اختلاط** کے شکار ہو گئے تھے [تاریخ ابن معین: ۱۴

- ۱۰۶]

✽ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

عبد الوہاب بن عبد المجید بن الصلت الثقفی أبو محمد البصری

ثقة تغیر قبل موته بثلاث سنين

عبد الوہاب بن عبد المجید بن لصلت الثقفی أبو محمد البصری، یہ ثقہ ہیں، یہ اپنی موت

سے تین سال قبل تغیر حفظ کے شکار ہو گئے تھے [تقریب التہذیب: - رقم: ۴۲۶۱]۔

یعنی امام ابن معین اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صرف اختلاط کی جرح کی لیکن یہ نہیں

کہا کہ انہوں نے اختلاط کے بعد کچھ روایت نہیں کیا۔

جواب میں امام ذہبی رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کے حوالہ سے جو یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ انہوں نے اختلاط کے بعد کچھ روایت نہیں کیا تو امام ذہبی رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کی صراحت انہیں کے الفاظ میں انہیں کی کتاب سے پیش کریں یا دیگر کتب سے بسند صحیح پیش کریں، بارک اللہ فیکم۔

رہا مجمع المختلطین کا حوالہ تو یہ بے سند و مردود ہے کیونکہ عصر حاضر کی کتاب ہے، نیز اسی کتاب کے صفحہ ۲۲۰ پر ہے (۱):

وَيُخَدِّشُ فِيهِ قَوْلُ الْفَلَّاسِ: إِنَّهُ اخْتَلَطَ حَتَّى كَانَ لَا يَعْقِلُ، وَسَمِعْتُهُ وَهُوَ مُخْتَطِطٌ يَقُولُ: ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ بِاخْتِلَاطٍ شَدِيدٍ، وَلَعَلَّ هَذَا كَانَ قَبْلَ حَجَبِهِ.

امام فلاس کا قول اس بات کی تردید کرتا ہے کہ عبد الوہاب نے اختلاط کے بعد کچھ روایت نہیں کیا کیونکہ امام فلاس نے کہا: یہ اختلاط کے شکار ہو گئے تھے یہاں تک کہ وہ تمیز بھی نہیں کر پاتے تھے۔ اور میں نے ان سے حالت اختلاط میں کہتے ہوئے سنا:

(۱) قارئین نوٹ فرمائیں کہ ہم نے یہاں مجمع المختلطین سے ایک الزامی حوالہ دیا ہے یعنی زیر علی زئی مجھے مجمع المختلطین کے حوالہ سے جواب دے رہے ہیں تو میں نے اول تو اس کتاب کو غیر مستند کہا اور دوم اسی کتاب سے ایک الزامی حوالہ پیش کیا۔ یعنی میری طرف سے اس کتاب سے پیش گئی عبارت بطور الزام تھی۔ لیکن زیر علی زئی نے جواب دیتے ہوئے کہا:

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ قول باسند نہیں ملا [رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: ص ۳۲]۔

اب دیکھیں کہ کتنا لغو طرز عمل ہے کہ پہلے زیر علی زئی ہم پر اس کتاب سے حجت قائم کرے اور جب ہم بطور الزام اسی کتاب سے حوالہ پیش کریں تو بڑی معصومیت سے کہا جا رہا ہے کہ ہمیں یہ قول باسند نہیں ملا۔

ہم سے ”محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان نے بیان کیا، شدید اختلاط کے ساتھ۔ اور یہ بات شاید اس وقت کی ہے جب ان کے شاگردوں نے ان سے روایت لینا ترک نہیں کیا تھا۔ [المعجم المختلطین:۔ ص: ۲۲۰]۔

اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ اختلاط کے بعد بھی انہوں نے روایت کیا ہے، بہر حال یہ بے سند اور عصر حاضر کے مؤلف کی کتاب ہے لہذا مردود ہے۔

حافظ زبیر علی زئی کے حوالہ سے کہا گیا:

امام بیہقی نے جس روایت کو منقطع قرار دیا ہے اس میں عبد الوہاب نہیں ہے۔ [محدث فورم مراسلہ نمبر ۴]۔

اس روایت میں عبد الوہاب نہیں ہے لیکن عبد الوہاب کا استاذ ”عوف“ تو ہے اب اگر بیہقی کی سند کے مطابق ”عوف“ کے شاگرد ”ہوذة بن خلیفة“ نے اس روایت کو منقطع بیان کیا ہے اسی طرح ان کے دیگر شاگردوں نے بھی اس سند کو منقطع بیان کیا ہے تو انہیں ”عوف“ کے ایک شاگرد ”عبد الوہاب“ کو یہ روایت موصول کہاں سے مل گئی؟ معلوم ہوا کہ اصل روایت منقطع ہی ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ کا یہی فیصلہ ہے۔

حافظ زبیر علی زئی کے حوالہ سے کہا گیا

عبد الوہاب بن عبد المجید بن لصلک الثقفی والی روایت منقطع وضعیف نہیں ہے جیسا کہ دلائل سے ثابت ہے۔ [محدث فورم مراسلہ نمبر ۴]۔

عبدالوہاب بن عبدالمجید ابن الصلت النقفی والی روایت ابن عساکر میں موجود ہے اور یہ منقطع و مردود ہے جیسا کہ دلائل سے ثابت ہے۔

حافظ زبیر علی زئی کے حوالہ سے کہا گیا:

امام بخاری کا یہ قول بلا سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ [محدث فورم مراسلہ نمبر ۴۲]۔  
عرض ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ اپنا قول ہے نہ کہ کسی اور کا اس لئے سند کا مطالبہ ہی مردود ہے۔

یاد رہے کہ ائمہ نقاد کا یہ کہنا کہ:

فلاں نے فلاں سے سنا نہیں۔

فلاں کی فلاں سے ملاقات نہیں۔

یا اس طرح کے فیصلے دینا حجت و دلیل کی حیثیت رکھتا ہے چنانچہ جب ہم کسی سند کو منقطع بتلاتے ہیں تو کسی امام سے محض یہ قول نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے کہ اس راوی نے فلاں راوی سے نہیں سنا، وغیرہ وغیرہ۔

یہاں پر یہ مطالبہ نہیں کیا جاتا کہ ناقد کے اس فیصلہ کی سند پیش کرو یعنی اس نے جو یہ کہا فلاں نے فلاں سے نہیں سنا اس کی سند پیش کرو، کیونکہ یہ فیصلہ ایک ناقد کا ہے اور ائمہ نقاد کے اس طرح کے فیصلے بجائے خود دلیل ہوتے ہیں، خود حافظ موصوف کی تحقیقی کتب سے ایسی مثالیں پیش کی جاسکتی ہے جہاں سند میں انقطاع کا حکم لگایا گیا ہے اور دلیل میں کسی ناقد امام کا اپنا قول ہی پیش کیا گیا ہے۔



بلکہ عدم لقاء سے زیادہ نازک مسئلہ تدلیس کا ہے یعنی کسی راوی سے متعلق ناقد کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ اپنے اساتذہ سے سنے بغیر روایت کر دیتا ہے یہاں بھی ناقد کے قول کی سند نہیں مانگی جاتی کیونکہ ناقد کا فیصلہ بجائے خود دلیل ہوتا ہے۔

مثلاً امام ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ موصوف نے نقل کیا:

❁ وقال ابو زرعه العراقي مشهور بالتدليس .

ابو زرعه العراقي نے کہا یہ یہ تدلیس سے مشہور ہیں۔ [كتاب المدلسين: ۲۱، الفتح

المبين في تحقيق طبقات المدلسين: ص: ۴۰]۔

عرض ہے کہ رواۃ کی کسی خوبی کو مشہور کہا جائے یا معروف کہا جائے ایک ہی بات ہے، اور اگر یہ بات کوئی ناقد کہے تو اس بات کی سند کا مطالبہ بجائے خود مردود ہے۔

بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ ہی کا ایک قول حافظ موصوف الفتح المبين میں یوں نقل کرتے ہیں:

❁ وَلَا أَعْرِفُ لِسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، وَلَا عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، وَلَا عَنْ مَنْصُورٍ. وَذَكَرَ مَشَايِخَ كَثِيرَةً لَا أَعْرِفُ لِسُفْيَانَ هَؤُلَاءِ تَدْلِيْسًا مَا أَقَلَّ تَدْلِيْسَهُ.

میں حبیب بن ابی ثابت، سلمہ بن کھیل اور منصور سے یہاں پر اور بھی بہت سے مشائخ کا تذکرہ کیا اور کہا ان سے میں سفیان ثوری کی تدلیس نہیں جانتا ان کی تدلیس بہت کم ہے [التمهيد: ۱۸۱، العلل الكبير للترمذی: ۲۲۶/۲، الفتح المبين في تحقيق

طبقات المدلسين: ص: ۴۰]۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا ”ولا اعرف“ کہنا اور التاریخ میں ”المعروف“ کہنا ایک ہی معنی میں ہے، تو کیا یہاں بھی کہہ دیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول بے سند ہے؟

### امام بخاری رحمہ اللہ کے اقوال کی مزید مثالیں:

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ بہت سے رواۃ کو منکر الحدیث اور بہت سے رواۃ کو معروف الحدیث کہتے ہیں مثلاً:

❁ الولید بن عُتْبَةَ، الدَّمَشْقِيُّ. رَوَى عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ، **مَعْرُوفٌ**

**الحديث.**

ولید بن عتبہ دمشقی، اس نے معاویہ بن صالح سے روایت کیا یہ **معروف الحدیث** ہے [التاریخ الكبير للبخاری: ۱۵۰/۱۸]۔

❁ إبراهيم أبو إسحاق عن بن جريج سمع منه و كيع **معروف**

**الحديث .**

ابراہیم ابواسحاق یہ ابن جریج سے روایت کرتے ہیں ان سے وکیع نے سنا ہے یہ **معروف الحدیث** ہیں [التاریخ الكبير للبخاری: ۲۷۳/۱]۔

تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول بے سند ہے؟

❁ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو بردہ کے نام کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

الحارث بن عمرو و يقال له أبو بردة خال البراء و يقال عم البراء بن عازب و خال أصح **والمعروف** اسم أبي بردة هانئ بن نيار .  
 حارث بن عمرو، انہیں ابو بردہ کہا جاتا ہے، یہ براء کے ماموں ہیں اور اور کہا جاتا ہے کہ براء بن عازب کے چچا ہے اور ماموں والی بات زیادہ صحیح ہے۔ اور ابو بردہ کا نام ”ہانی بن نیاز“ **معروف ہے**۔ [التاریخ الكبير للبخاری: ۲۵۹/۲]۔  
 تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول بے سند ہے؟

❁ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے عبدالعزیز سے یزید کے عدم سماع کے بارے میں کہتے ہیں:

ویزید هذا **غیر معروف** سماعه من عبد العزيز .

اور اس یزید کا عبدالعزیز سے **سماع معروف نہیں ہے** [التاریخ الصغير للبخاری: ۶۵/۲]۔

تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول بے سند ہے؟  
 یاد رہے کہ اسی طرح کے اقوال دیگر ائمہ سے بھی ملتے ہیں۔

الغرض یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک خاص مقام پر دو صحابہ کی عدم ملاقات کی جو بات کہی ہے تو اس بات کا تعلق محدثین و ناقدین کے فن سے ہے، محدثین و ناقدین کو یہ اتھارٹی حاصل ہے کہ وہ کسی دورِ رواۃ کے مابین عدم سماع یا عدم معاشرت یا عدم لقاء کی صراحت کریں اور محدثین کے اس طرح کے اقوال کی بنیاد محدثین کی فنی مہارت ہوتی ہے لہذا محدثین اپنے فن کی بات کہیں تو یہ حجت ہے سالِ محدثین سے سند کا مطالعہ مودود ہے۔

اسی طرح ناقدین جب اپنے دور سے قبل کے روات کی تاریخ پیدائش یا تاریخ وفات بتلائیں یعنی یہ بتلائیں کہ یہ فلاں شخص کے موت کے بعد پیدا ہوا یہ فلاں کے پیدا ہونے سے پہلے فوت ہو گیا، یا طبقہ بتلائیں تو یہ حجت ہے کیونکہ ناقدین کا یہ فیصلہ ان کے فن کا ہے ایسے اقوال میں یہ مطالبہ کہ فلاں راوی کی تاریخ وفات یا تاریخ پیدائش یا طبقہ کی سند صحیح بھی بتلائیں تو یہ مطالبہ ہی مردود ہے، ورنہ ہم بھی حافظ موصوف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آں جناب نے جہاں جہاں بھی سند کے انقطاع پر ناقدین کے حوالے سے تاریخ وفات یا تاریخ پیدائش کے اقوال پیش کئے ہیں ان اقوال کی سند صحیح پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان اقوال میں جو بات ہے اس کی بھی سند صحیح پیش کریں! (۱)

اور اگر اس طرح کے اقوال میں براہ راست ناقدین سے سند کا مطالبہ درست ہے تو ہمارا دعویٰ ہے کہ عام کتب احادیث تو دور کی بات سنن اربعہ کی کوئی ایک حدیث بھی صحیح یا ضعیف ثابت نہیں کی جاسکتی۔

کیونکہ روات کے تعارف میں ناقدین کے جو اقوال پیش کئے جائیں گے تو یہاں دو طرح کی سند کا مطالبہ کیا جائے گا:

☆ اول: ناقد کا جو فیصلہ ہے وہ اس کی کتاب سے یا کسی اور کتاب سے بسند صحیح پیش کیا جائے۔

☆ دوم: ناقد کے اپنے فیصلہ میں جو بات ہے مثلاً یہ کہ فلاں کذاب ہے یا فلاں کی فلاں سے ملاقات نہیں اور یہ فلاں ناقد کے زمانہ کا نہ ہو یا ہو بھی تو کذاب کہنے کی بھی

(۱) ہمارا یہ مطالبہ پورا کرنے سے زیر علی زئی صاحب بالکل عاجز و ساکت ہیں۔

میرے خیال سے اس اصول کے تحت دیگر کتب تو دور کی بات سنن اربعہ ہی سے کسی ایک بھی حدیث کو صحیح یا ضعیف ثابت کرنا ناممکن ہے اور اگر ممکن ہے تو ہمیں صرف ایک حدیث کی تحقیق ناقدین سے بسند صحیح ثابت اقوال نیز ناقدین کے اقوال میں جو بات ہے اس کی بھی سند صحیح پیش کر کے دکھلایا جائے۔۔۔۔۔ بارک اللہ فیکم (۱)۔

حافظ زبیر علی زئی کے حوالہ سے کہا گیا

زیر بحث روایت کا کوئی راوی ضعیف و کذاب نہیں ہے۔ [محدث فورم مراسلہ نمبر ۴]۔

ہم نے کب کہا کہ زیر بحث روایت کا کوئی راوی ضعیف یا کذاب ہے؟ لیکن کیا سند

کے تمام رواۃ کا ثقہ ہونا سند کی صحت کے لئے کافی ہے؟

اگر کافی ہے تو خود حافظ موصوف نے یزید بن خصفہ کے طریق سے مروی بیس رکعات

تراویح والی روایت کو ضعیف کیوں کہا، کیا اس سند میں کوئی ضعیف یا کذاب راوی ہے؟ (۲)

اسی طرح رفع الیدین کے مسئلہ میں معافی الآثار للطحیٰ وی کی حصین عن مجاہد والی روایت

جوابن عمر رضی اللہ عنہ کے صرف ایک بار رفع الیدین کرنے سے متعلق ہے اسے ضعیف

کیوں کہا گیا؟ کیا اس میں کوئی ضعیف یا کذاب راوی ہے؟ (۳)

(۱) یہ مطالبہ پورا کرنے سے بھی زیرِ علی زئی صاحب بالکل عاجز و خاموش ہیں۔

(۲) اس سوال کا بھی زیر علی زئی صاحب نے کوئی جواب اب تک نہیں دیا۔

(۳) اس سوال کا بھی زیر علی زئی صاحب نے کوئی جواب اب تک نہیں دیا۔

## ایک لازمی مطالبہ:

أَخْبَرَنَا أَبُو الْفَضْلِ مُحَمَّدُ بْنُ طَاهِرِ بْنِ عَلِيٍّ الْحَافِظُ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ عَلِيٍّ بْنِ عَلِيٍّ عِيسَى، إِمْلَاءً، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ، عَنْ سَلِيمِ بْنِ حَيَّانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ مِينَاءَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُمَا قَالَا: **وُلِدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفِيلِ، يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ، الثَّانِي عَشَرَ مِنْ شَهْرِ رَجَبِ الْأَوَّلِ،** وَفِيهِ بُعِثَ، وَفِيهِ عَرَجَ إِلَى السَّمَاءِ، وَفِيهِ هَاجَرَ، وَفِيهِ مَاتَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. [الأباطيل والمناكير للجبور قانی: - ۲۶۷/۱]

اس روایت میں ہے کہ **۱۲ ربیع الاول** ہی کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی اور **۱۲ ربیع الاول** ہی کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور **۱۲ ربیع الاول** ہی کو آپ کی بعثت ہوئی اور **۱۲ ربیع الاول** ہی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی اور **۱۲ ربیع الاول** ہی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی۔

اس روایت کی استنادی حالت واضح کر دیں اور بتائیں کہ اس میں کوئی ضعیف یا کذاب راوی ہے کیا؟ جزا کم اللہ خیرا۔

زیر علی زئی صاحب نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے امام جبور قانی رحمہ اللہ پر ہی ہاتھ صاف کر دیا اور سند کے ایک راوی سے متعلق اپنی جہالت کا اعتراف کیا ہے جب کہ ایک دوسرے راوی سے متعلق دوغلی پالیسی اپنائی ہے۔ تفصیلی وضاحت کے لئے دیکھئے ”زیر علی زئی پر رد میں چوتھی تحریر“

ہم نے زیر بحث روایت کو مردود قرار دیا تو اس لئے نہیں کہ اس کی سند میں کوئی ضعیف یا کذاب راوی ہے بلکہ اس لئے کہ اس کی سند منقطع ہے، اور عبد الوہاب والی سند منکر ہے کیونکہ عبد الوہاب پر جرح ہوئی ہے اور اس نے دیگر ثقہ رواۃ کے خلاف اس حدیث کو موصول بیان کر دیا، اسی طرح ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کو بھی بنیاد بنایا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا کیا مقام ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

**فائدہ:** ہم نے زیر بحث حدیث کے کسی راوی کو ضعیف یا کذاب تو نہیں کہا بلکہ عبد الوہاب کے بارے میں یہ کہا ہے کہ اس سے حدیث کو موصول بیان کرنے میں غلطی ہوئی لیکن اگر کوئی اس بات کو تسلیم نہ کرے تو اس کے اصول سے اس روایت کی سند میں موجود ابو مسلم کا کذاب ہونا ثابت ہوتا کیونکہ یہ روایت ابو مسلم ہی کی بیان کردہ ہے اور یہ بے چارہ جس جگہ دو صحابہ کی ملاقات دکھلا رہا ہے وہاں پر امام بخاری رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق ان دونوں صحابہ کی ملاقات قطعاً نہیں ہو سکتی، لہذا عبد الوہاب کے بیان کو درست مان لیا جائے تو امام بخاری رحمہ اللہ کی تصریح کی روشنی میں ابو مسلم کا کذاب و دجال ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ہمارے نزدیک رائج بات یہی ہے کہ زیر بحث روایت کی سند سے ایک راوی ساقط ہے اور یہ نامعلوم ہے اس نے امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کی روشنی میں ناممکن بات بیان کی ہے لہذا یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے اسے کسی دجال و کذاب سبائی نے گھڑا ہے۔

☆ اس صفحہ کے خط کشید الفاظ پر دھیان دیں ہم نے پوری صراحت کے ساتھ واضح کیا ہے کہ ہم اس سند کے کسی راوی کو کذاب نہیں کہتے بلکہ اس سند سے جو راوی ساقط ہے اسے کذاب کہتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہمارے اس واضح بیان کے باوجود بھی زیر علی زئی صاحب نے مجھ پر یہ بہتان باندھا کہ میں نے اس سند کے کسی راوی کو کذاب اور سبائی درندہ کہا ہے اس بہتان کی تفصیلی تردید کے لئے دیکھیں: زیر علی زئی پر رد میں تیسری تحریر۔

یاد رہے کہ عدم سماع و عدم لقاء کی صراحت کرنے میں نقاد محدثین کو اتھارٹی حاصل ہوتی ہے اور ان کا قول حجت ہوتا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا نقد و علل میں کیا مقام تھا یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔

حافظ زیر علی زئی کے حوالہ سے کہا گیا:

نیز شیخ البانی نے بھی اس متن کی ایک روایت کو صحیح قرار دیا ہے:

أول من يغير سنتي رجل من بني أمية. [أخرج ابن أبي عاصم في الأوائل :- ٧/٢].  
حدثنا عبيد الله بن معاذ حدثنا أبي حدثنا عوف عن المهاجر أبي مخلد عن أبي العالية (١) عن أبي ذر أنه قال ليزيد ابن أبي سفيان: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكره. قلت: وهذا إسناد حسن، رجاله ثقات رجال الشيخين غير المهاجر وهو ابن مخلد أبو مخلد، قال ابن معين: "صالح." وذكره ابن حبان في "الثقات." وقال الساجي: "صدوق." وقال أبو حاتم: "لين الحديث ليس بذاك وليس بالمتقن، يكتب حديثه." قلت: فمثله لا ينزل حديثه عن مرتبة الحسن. والله أعلم. ولعل المراد بالحديث تغيير نظام اختيار الخليفة، وجعله وراثه. والله أعلم. [سلسلة الاحاديث الصحيحة : ح]. "أول من يبدل سنتي رجل من بني أمية." "حسن." "ع" عن أبي ذر. الصحيحة : ٤٩٩ ابن أبي عاصم. [صحيح الجامع]. [محدث فورم مراسله نمبر ٢]۔

❁ اولاً: شیخ البانی رحمہ اللہ عصر حاضر کے محدث ہیں اور ان کے فیصلہ کے برخلاف

(۱) علامہ البانی رحمہ اللہ کی پیش کردہ سند میں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے نیچے ابو العالیہ ہے اور ابو العالیہ کا سماع ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں لیکن آگے چل کر یہی بات لکھتے ہوئے سبقت قلم سے ابو العالیہ کی جگہ ابو مسلم تحریر ہو گیا حالانکہ اس سند میں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے نیچے ابو مسلم ہے ہی نہیں۔ بعد میں اس غلطی کی اصلاح کر لی گئی۔



متقدمین محدثین نے بالاتفاق اس روایت کو مردود قرار دیا ہے، متقدمین کے متفقہ فیصلہ کے ہوتے ہوئے متاخرین کی بات کون سنے گا؟

✽ ثانیاً: شیخ البانی رحمہ اللہ نے جس روایت کو صحیح کہا ہے اس کا متن زیر بحث روایت سے بہت مختلف ہے۔

☆ شیخ البانی کی تصحیح کردہ روایت میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر گھناؤنا الزام نہیں ہے۔

☆ شیخ البانی رحمہ اللہ کی تصحیح کردہ روایت میں سنت بدلنے والے شخص کا نام مذکور ہی نہیں ہے۔

اتنے فرق ہونے کے باوجود بھی یہ کہنا محل نظر ہے کہ:

**نیز شیخ البانی نے بھی اس متن کی ایک روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔**

✽ ثالثاً: شیخ البانی رحمہ اللہ کی تصحیح کردہ سند عبدالوہاب والی نہیں ہے، یہ سند صریحاً منقطع ہے کیونکہ اس میں **ابوالعالیہ** اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے مابین کسی واسطے کا ذکر نہیں اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے **ابوالعالیہ (۱)** کے سماع کا کوئی ثبوت قطعاً نہیں، ناقدین محدثین نے واضح طور پر یہاں انقطاع کی صراحت کی ہے۔

✽ رابعاً: یہ روایت ابن ابی عاصم میں مختصر ہے اور ابن عساکر میں مفصل ہے اور اس کی روشنی میں یہ روایت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسی جگہ بیان کی ہے جہاں امام بخاری کے بقول ابوذر رضی اللہ عنہ بیان ہی نہیں کر سکتے لہذا یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

(۱) پہلے اس تحریر میں یہاں پر سبقت قلم کی غلطی سے ”ابوالعالیہ“ کی جگہ ”ابو مسلم“ تحریر ہو گیا تھا۔

حالانکہ اس سند میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے نیچے ”ابو مسلم“ ہے ہی نہیں بلکہ ”ابوالعالیہ“ ہے۔

حافظ زیر علی زئی کے حوالہ سے کہا گیا:

اس کے علاوہ کیا یہ اصول حدیث کا مسئلہ ہے کہ متن کی نکارت کی بنا پر بھی روایت موضوع ہو جاتی ہے جبکہ اس میں کوئی کذاب راوی نہ ہو؟ [محدث فورم مراسلہ نمبر ۴]۔

ہم بھی سوال کر سکتے ہیں کہ کیا یہ اصول حدیث کا مسئلہ ہے کہ کسی روایت کی سند میں کذاب راوی ہو تو اس روایت کو موضوع کہتے ہیں، اگر ایسا ہے تو ہمیں اصول حدیث کی کتب میں یہ مسئلہ دکھایا جائے اور بتایا جائے کہ کس کس محدث نے موضوع حدیث کی یہ تعریف کی ہے کہ جس حدیث میں کذاب راوی ہو اسے موضوع کہتے ہیں؟ (۱)

ہمارے علم کی حد تک تو اصول حدیث کی کسی بھی کتاب میں موضوع حدیث کی یہ تعریف نہیں ملتی کہ موضوع حدیث وہ ہے جس کی سند میں کوئی کذاب راوی ہو۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ محدثین کا یہ طرز عمل ہے کہ وہ ایسی احادیث کو موضوع قرار دیتے ہیں جن کی اسناد میں کذاب راوی ہو، اور ٹھیک اسی طرح محدثین ایسی روایات کو بھی موضوع و باطل قرار دیتے ہیں جس کی سند ضعیف ہو اور متن میں ناممکن بات ہو اور اس کے لئے میں نے پہلے ہی ابن الجوزی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ دیا ہے کہ ان حضرات نے ترمذی کی ایک ایسی حدیث کو موضوع کہا ہے کہ جس کے سارے راوی نہ صرف ثقہ ہیں بلکہ بخاری و مسلم کے راوی ہیں اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے۔

(۱) اس سوال کا بھی زیر علی زئی صاحب نے کوئی جواب اب تک نہیں دیا۔

اسی طرح ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی متعدد ضعیف السند احادیث کے متن کو دیکھتے ہوئے اسے موضوع کہا ہے۔

الغرض یہ کہ محدثین کا جس طرح یہ طرز عمل ملتا ہے کہ وہ کذاب راوی سے مروی روایت کو موضوع کہتے ہیں اسی طرح محدثین کا یہ بھی طرز عمل رہا ہے کہ وہ ضعیف رواۃ کے ذریعہ منقول شدید نکارت یا ناممکن باتوں پر مشتمل روایت کو بھی موضوع قرار دیتے۔

## خلاصہ:

ہم اب بھی اپنے موقف پر اللہ کے فضل و کرم سے پوری طرح مطمئن ہیں بلکہ اپنے دلائل کا معقول جواب نہ پا کر ہمیں اپنے موقف کی صحت پر پہلے سے بھی زیادہ یقین کامل ہو گیا ہے والحمد للہ۔

ہم زیر بحث روایت کو مردود و باطل اور موضوع و من گھڑت سمجھتے ہیں، تمام طرق سامنے رکھنے کے بعد زیر بحث روایت کی سند کا ضعف واضح ہو جاتا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق اس روایت کا جس جگہ بیان ہونا بتایا گیا ہے اس جگہ اس روایت کا بیان کیا جانا ناممکن ہے اس لئے یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے اس کے ساتھ جب ہم اس من گھڑت روایت کے مشمولات کو دیکھتے ہیں تو جلیل القدر صحابی رسول یزید ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر حسن پرستی اور اس کی خاطر کسی اور کے حصہ کی لونڈی غصب کرنے کا جھوٹا الزام لگایا گیا ہے اور ساتھ میں یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کو بھی مطعون کیا گیا ہے اس لئے یہ روایت کسی سبائی ذہن کی تراشیدہ معلوم ہوتی ہے، اور سبائی درندوں کا کام ہی ہے امت مسلمہ کے بیچ فتنہ برپا کرنا اور انہیں ایک دوسرے سے لڑانا اور صحابہ کے

خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کرنا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو سبائی سازش سے بچائے آمین یا رب العالمین۔

واضح رہے کہ ہم حافظ زیر علی زئی حفظہ اللہ کی طرف سے اس روایت کی تحسین کو آں موصوف کی اجتہادی خطا سمجھتے اور اس معاملہ میں ان سے اختلاف کے باوجود ان کا احترام کرتے ہیں، لیکن اس روایت کے اندر جو باتیں ہیں ہم ان کا احترام کسی بھی صورت میں نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک روز روشن کی طرح اس روایت کا کذب و دجل واضح ہے، اور ہمیں پورا یقین ہے اس مکذوب روایت میں جس چیز کو فرمان رسول کہا گیا ہے وہ فرمان رسول نہیں بلکہ کسی سبائی شیطان کی من گھڑت خرافات ہے۔

اس کے برخلاف حافظ موصوف چونکہ اسے صحیح حدیث باور کرتے ہیں اس لئے آں موصوف اور ان کے موافقین اس روایت کا احترام کریں اور اس میں جس بات کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے اسے حدیث رسول سمجھیں تو ہمیں اس سے کوئی شکوہ نہیں۔

وکبتہ

ابوالفوز ان کفایت اللہ سنابلی۔